

فقہ حنفی میں قبول حدیث کے شرائط اور استنباط احکام پر ان کے اثرات

تاج الدین ازہریؒ

حدیث نبوی اسلامی فقہ کا دوسرا ماخذ ہے۔ یہ قرآن کریم کے بعد دوسرے درجہ پر ہے کیونکہ قرآن کریم شریعت کا اصل الاصول ہے۔ قرآن پاک سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث نبوی بھی شریعت کے مصادر میں سے ایک عظیم مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس ضمن میں قرآن کریم کی درج ذیل آیات ہماری رہنمائی کرتی ہیں:

۱- قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَ رَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ كَلِمَتِهِ وَ اتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ^(۱)

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دو کہ میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں، وہ جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے۔ تو خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کرو تا کہ ہدایت پاؤ۔

۲- وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نَزَلَ إِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ^(۲)
ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو ارشادات لوگوں پر نازل ہوئے ہیں ان پر ظاہر (بیان) کرو تا کہ وہ غور کریں۔

۳- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ رَسُولَهُ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ وَ أَنْتُمْ تَسْمَعُونَ^(۳)
اے ایمان والو! خدا اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور اس سے روگردانی نہ کرو اور تم سنتے رہو۔

۴- وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَ لَا مُمِئِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَ رَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْحَيْرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا^(۴)
کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کو حق نہیں کہ جب خدا اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔

۵- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَ الرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَ أَحْسَنُ تَأْوِيلًا^(۵)

اے ایمان والو! خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے ”اولی الامر“ ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

امام ابن القیم کا کہنا ہے کہ لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ کی طرف رجوع دراصل اس کی کتاب کی طرف رجوع کرنا ہے اور رسول کی طرف رجوع دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف رجوع کرنا ہے^(۶)۔ امام ابن القیم کے اس قول کی تائید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین سے بھی ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

امرت امتی ان یاخذوا بقولی ویطیعوا امری ویتبعوا سنتی فمن رضى بقولی فقد رضى بالقرآن^(۷)
میری امت کو حکم دیا گیا ہے کہ میری باتوں کو مضبوطی سے تھام لے، میرے حکموں کی تعمیل کرے اور میری سنت کا اتباع کرے۔ پس جو شخص میری بات سے راضی ہو گیا وہ قرآن سے راضی ہو گیا۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین اپنی تمام عبادات اور معاملات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا اتباع کرتے تھے اور اسی کا دوسروں کو حکم دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں قاضی شریح کو جو خط لکھا تھا اس میں انہیں لکھا تھا: ”اگر آپ کو اللہ کی کتاب میں کوئی فیصلہ مل جائے تو اس کے مطابق فیصلہ دیجیے اور کسی دوسری چیز کا رخ نہ کیجیے اور اگر آپ کو کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جس کا حکم قرآن کریم میں نہ ملے تو اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ دیجیے“^(۸)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب تم سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے تو پہلے اللہ کی کتاب میں دیکھو، اگر اللہ کی کتاب میں نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں دیکھو اور اگر وہ اللہ کے رسول کی سنت میں بھی نہ ملے تو جس پر سب لوگ اتفاق کریں اس کے مطابق فیصلہ دو“^(۹)۔ صحابہ کرامؓ کی طرح تابعین کرامؓ اور ائمہ مجتہدین بھی ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو مقدم رکھتے تھے۔ ان کی اتباع میں اپنی دنیوی اور اخروی سعادت سمجھتے تھے اور اپنے تلامذہ کو اس کی تلقین کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ فرمایا کرتے تھے:

ایاکم والقول فی دین اللہ بالرای وعلیکم باتباع السنة فمن خرج منها ضل^(۱۰)۔

تم اللہ کے دین کے بارے میں رائے سے کوئی بات کہنے سے پرہیز کرو اور سنت کا اتباع کرو اس لیے کہ جو اس سے نکلا گمراہ ہو گیا۔

ایک دفعہ کوفہ کا ایک شخص آپؐ کی مجلس میں آیا۔ اس نے دیکھا کہ حدیث پڑھی جا رہی ہے، کہنے لگا ان

احادیث کو رہنے دوان کی ہمیں ضرورت نہیں۔ آپؐ نے اسے سختی سے ڈانٹا اور فرمایا:
اگر سنت نہ ہوتی تو کوئی شخص قرآن کو نہ سمجھ پاتا (۱۱)۔

امام ابو حنیفہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَقُولَ قَوْلًا حَتَّى يَعْلَمَ أَنَّ شَرِيعَةَ رَسُولِ اللَّهِ تَقْبَلُهُ (۱۲)

کس کے لیے کوئی بات کہنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ وہ یہ نہ جان لے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اسے قبول کرتی ہے یا نہیں؟

امام مالک کا یہ قول تو بہت ہی مشہور ہے:

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہر شخص کی بات لی جاسکتی ہے اور چھوڑی بھی جاسکتی ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات چھوڑی نہیں جاسکتی (۱۳)۔“

اسی طرح امام حاکمؒ اور بیہقیؒ نے امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپؐ کہا کرتے تھے:

إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي

جب حدیث صحیح قرار پا جائے تو یہی میرا مذہب ہے

امام ابن حزمؒ اس کی تشریح کرتے ہیں کہ ”جب وہ [حدیث] ان کے نزدیک یا کسی اور امام کے نزدیک

صحیح قرار پا جائے“ (۱۴)۔

امام احمدؒ ائمہ اربعہ میں سے سب سے زیادہ احادیث کو جمع کرنے اور ان پر سختی سے عمل کرنے والے

تھے۔ آپ کا قول ہے:

جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو رد کیا وہ ہلاکت کے کنارے پر ہے (۱۵)

اصحاب رسول رضوان اللہ عنہم اجمعین اور ائمہ کرام رحمہ اللہ علیہم کے ان اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے اگر

ہم اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں کوئی ایسا امام نہیں ملتا کہ جو سنت کو سنت سمجھتے ہوئے اس پر عمل سے انکار

کر دے، اسے حجت نہ مانے بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ائمہ کرام سنت کے مطابق چلتے ہیں، دوسروں کو اس

کے مطابق عمل کی ترغیب دیتے ہیں، اس کی مخالفت سے ڈراتے ہیں اور اگر کوئی انکار کرے یا اس کی شان کو گھٹائے

تو اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ ائمہ کرام کے ہاں سنت کا یہ مرتبہ و مقام دیکھ کر امام ابن تیمیہؒ کو کہنا پڑا:

وَلْيَعْلَمَ لَيْسَ أَحَدٌ مِنَ الْأَئِمَّةِ الْمَقْبُولِينَ عِنْدَ الْأَمَّةِ قَبُولًا عَامًّا يَتَعَمَّدُ مُخَالَفَةَ رَسُولِ اللَّهِ فِي شَيْءٍ مِنْ سُنَّتِهِ

دقیق و لاجلیل، کانہم متفقون اتفاقاً یقیناً علی وجوب اتباع الرسول و علی ان کل احل من الناس

یؤخذ من قوله و یتروک الارسل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ولكن اذا وجد لواحد منهم قول قد جاء

حدیث صحیح بخلافہ فلا بد ان یکون له من عذر فی ترکہ (۱۶)۔

آپ کو علم ہونا چاہیے کہ ان ائمہ کرام میں سے جنہیں امت کے ہاں قبول عام حاصل ہوا ہے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو جان بوجھ کر رسول اللہ کی کسی چھوٹی یا بڑی سنت کی مخالفت کرے، کیونکہ ان سب کا اتباع رسول کے واجب ہونے پر مکمل اتفاق ہے اور اس بات پر بھی کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر شخص کی بات لی جاسکتی ہے اور چھوڑی بھی جاسکتی ہے۔ اب ان ائمہ کرام میں سے کسی کے قول کے خلاف صحیح حدیث آجائے تو ضرور اس امام کے ہاں اس حدیث کو ترک کرنے میں کوئی عذر ہوگا۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ ائمہ کے حدیث رسول کو ترک کرنے کے تمام اعذار تین قسموں پر مشتمل ہیں:

۱- امام اس بات کا قائل ہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہوگی۔

۲- وہ اس بات کا قائل نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد سے یہ مسئلہ مراد لیا ہوگا۔

۳- اس کا خیال ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے (۱۷)۔

امام ابن تیمیہ نے امت پر یہ واضح کر دیا ہے کہ ائمہ مجتہدین میں کسی نے کبھی جان بوجھ کر حدیث رسول کو ترک کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہاں حدیث رسول کے قبول نہ کرنے میں ان کے اپنے اعذار ہیں۔ ان کے یہ اعذار اسی طرح ہیں جس طرح محدثین کے ہاں ان کی شروط ہیں۔ ہر محدث احادیث رسول کو اپنی قائم کردہ شروط پر لیتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ امام بخاری کی شروط امام مسلم کی شروط سے مختلف ہیں۔ امام بخاری راوی کی معاشرت (زمانے) کے ساتھ اس کی مروی عنہ سے ملاقات کو بھی ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے برعکس امام مسلم صرف معاشرت پر اکتفا کو کافی سمجھتے ہیں (۱۸) اسی طرح ابن حبان جمہور محدثین کے خلاف مجہول راوی کی روایت کو نہ صرف کہ قبول کرتے ہیں بلکہ اسے حجت مانتے ہیں بشرطیکہ اس سے روایت کرنے والا اور جس سے اس نے روایت کی ہے ثقہ ہوں اور حدیث منکر نہ ہو۔ جس طرح محدثین کی قبول حدیث کی شروط ایک دوسرے سے مختلف ہیں اسی طرح ائمہ مجتہدین میں سے ہر ایک کی قبول حدیث کے لیے اپنی شرائط ہیں۔ مولانا ظفر احمد عثمان لکھتے ہیں:

فکل مذهب جاء باصوله و فروعه ولم يشترك في بعض دون بعض (۱۹)

پھر ہر مذہب کے اپنے اصول و فروغ آگئے جن میں کچھ دوسروں کے ساتھ مشترک تھے اور کچھ دوسروں سے مختلف۔

فقہ حنفی دنیائے اسلام کی مشہور و معروف فقہ ہے۔ اس کے بانی امام ابوحنیفہؒ کا حجت حدیث سے متعلق

قول اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے کوفہ کو حضرت عمرؓ نے ۷۱ھ میں بسایا تھا، چنانچہ حرمین شریفین کے بعد جن شہروں میں صحابہ کرامؓ کا زیادہ ورود ہوا کوفہ ان میں سے ایک تھا۔ قناد کا قول ہے کہ کوفہ

میں ڈیڑھ ہزار صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین نے ورود فرمایا جن میں چوبیس بدری صحابہ تھے^(۲۰)۔ ابورامہندیؓ نے ابن سیرینؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں جب کوفہ آیا تو میں نے دیکھا کہ یہاں حدیث رسول کے چار ہزار طالب علم ہیں^(۲۱) کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو حضرت عمرؓ کے حکم سے اہل کوفہ کی تعلیم و تربیت کے لیے یہاں تشریف لائے تھے اور حضرت عثمانؓ کے آخری دور تک یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔ انہی کی اس محنت کو دیکھ کر حضرت علیؓ خوش ہوئے تھے اور فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ابن ام عبد پر رحم فرمائے انہوں نے اس شہر کو علم سے بھر دیا^(۲۲)۔ علم سے معمور اس شہر میں امام صاحب نے پرورش پائی۔ اس زمانے میں یہ شہر بڑے بڑے محدثین کا مرکز تھا۔ آپ نے ان سے کسب فیض کیا۔ آپ کے مشائخ کی تعداد چار لاکھ بتائی جاتی ہے^(۲۳)۔ ایک دفعہ ایک مجلس میں عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے امام صاحب سے پوچھا کہ انہوں نے علم کن اساتذہ سے حاصل کیا ہے تو امام صاحب نے جواب دیا کہ میں نے اصحاب علیؓ، اصحاب عبداللہ بن مسعودؓ اور اصحاب عبداللہ بن عباسؓ سے علم حاصل کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابن عباسؓ اپنے وقت میں سب سے بڑے عالم تھے^(۲۴)۔ اس طرح ان بزرگوں سے امام صاحب نے علم حدیث کا ایک ذخیرہ جمع کر لیا ہوگا۔ اسی لیے ابن حجر مکی کو یہ لکھنا پڑا کہ امام صاحب پر قلت حدیث کا الزام جن لوگوں نے عائد کیا ہے وہ ان کے تساہل کی وجہ سے ہے یا حسد کی وجہ سے، کیونکہ اگر امام ایسے ہی تھے تو انہوں نے استنباط مسائل کا کام کیسے کیا؟ ان کے استنباط کردہ مسائل کی تعداد بھی بہت بڑی ہے۔ ان کا علم حدیث ان کے فقہی مسائل میں مشغولیت کی وجہ سے ظاہر نہ ہو سکا جس طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا علم حدیث خلافت میں مشغولیت کی وجہ سے ظاہر نہ ہو سکا اور ان کی روایات تھوڑی ہیں^(۲۵)۔

کوفہ نہ صرف کہ محدثین کا مسکن تھا بلکہ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں سرزمین عراق مختلف فرقوں اور مذاہب کا اکھاڑہ بنی ہوئی تھی۔ وہاں شیعہ اور خوارج اپنے تمام فرقوں سمیت بستے تھے۔ مرجہ، جہمیہ اور قدریہ بھی وہاں سکونت پذیر تھے۔ ظاہر ہے ان فرقوں کو اپنے مخصوص عقائد کی تائید کے لیے حدیث نبوی میں دروغ گوئی سے بھی دریغ نہ تھا۔ فقہائے عراق کی آنکھوں کے سامنے یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہدف کذب و افتراء بنی ہوئی تھی۔ حدیث نبوی کو دروغ گوئی سے بچانے کی خاطر ان میں شک کی روح پیدا ہوئی اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوئے کہ دین متین میں وثوق و حفاظت کا یہ تقاضا ہے کہ صرف انہی لوگوں کی روایت قبول کی جائے جن کی زندگی کے نشیب و فراز سے انہیں پوری واقفیت ہے^(۲۶) اسی غرض سے

انہوں نے قبول حدیث کے کچھ اصول و ضوابط مقرر کیے۔ انہی ضوابط کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

”اکثر لوگ اس زعم کا شکار ہیں کہ ابو حنیفہؒ اور شافعی کا اختلاف بزدوی وغیرہ کی کتابوں میں ذکر کردہ اصولوں پر مبنی ہے لیکن حق یہ ہے کہ اصول زیادہ تر ان کے ائمہ کے اقوال سے مستخرج ہیں (۲۷)۔

مصر کے نامور عالم دین محمد ابو زہرہ بھی اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”امام ابو حسن کرخی، امام دبوسی کے دونوں رسالوں اور فخر الاسلام بزدوی کی کتاب میں جو اصول جامعہ موجود ہیں، خواہ وہ فروعی احکام سے متعلق ہوں یا فقہ حنفی کے طریق استنباط سے، حضرت امام یا ان کے رفقاء کسی سے بھی مروی نہیں بلکہ ان بابیان مذہب حنفی کے ان فروع سے مستنبط ہیں جو ان سے ماثور و منقول ہیں (۲۸)۔

فقہ حنفی کی مختلف کتابوں میں محدثین اور علماء اصول نے احادیث کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے:

۱- احادیث متواترہ، ۲- احادیث مشہورہ، ۳- احادیث احاد

حدیث متواتر

حافظ ابن حجر نے متواتر کی یہ تعریف بیان کی ہے: وہ حدیث ۱: حدیث کے رواۃ کی تعداد کثیر ہو۔ ۲: یہ کثرت ابتدا سے انتہا تک یکساں ہو۔ یکساں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی زمانے میں بھی مطلوبہ تعداد رواۃ میں کمی نہ آئے، نہ یہ کہ یہ تعداد بڑھے کیونکہ کثرت رواۃ تو خیر متواتر میں بطریق اولیٰ مطلوب ہے۔ ۳: جھوٹ پر اتفاق محال ہو۔ ۴: خبر متواتر کا تعلق مشاہدہ یا سامع کی حس کے ساتھ ہو (۲۹)۔

احناف کے مشہور اصولی فخر الاسلام بزدوی بھی حدیث متواتر کی اسی سے ملتی جلتی تعریف کرتے ہیں۔

ان کا کہنا ہے:

متواتر ان احادیث کو کہتے ہیں جن کے راوی لا تعداد ہوں، ان کی کثرت وعدالت اور مرتبہ و مقام کی بنا پر اس وہم کی گنجائش نہ ہو کہ یہ جھوٹ پر متفق ہو گئے ہوں گے۔ یہ اجماع ہر زمانہ میں موجود رہے اور اس کا آخراور اوسط شہرت کے اعتبار سے جائین سے کم نہ ہو جیسے قرآن متواتر نقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچا ہے، پانچ نمازیں، تعداد رکعات، مقادیر زکاة اور ان کے نظائر و اشباہ (۳۰)۔

خبر متواتر سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے، ایسا یقینی علم کہ انسان قطعی طور پر اس کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جس طرح کوئی شخص کسی واقعہ کا بذاتہ خود مشاہدہ کرے تو وہ اس کی تصدیق کرنے میں ہرگز تردد نہیں کر سکتا (۳۱)۔

اکثر علماء کے نزدیک حدیث متواتر سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے، حافظ ابن حجرؒ بھی اس کی تائید کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:

معتبر قول ہے کہ خبر متواتر مفید علم یقینی ہے اور علم یقینی وہ ہے جس کے تسلیم کرنے پر انسان ہر طرح سے مجبور ہو جاتا ہے اور اس کا انکار کرنا ناممکن ہوتا ہے (۳۲)۔

احادیث متواترہ بلاشبہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں قابلِ حجت ہیں اور یہ کیسے نہ ہو، خود علماء احناف نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے:

ان الخبر المتواتر یفید و یوجب علم یقین عند اکثر الائمة فیکفر جاحده وقال الاحناف بکفره و اکثر الائمة معهم فی هذا (۳۳)

اکثر علماء کے نزدیک خبر متواتر نہ صرف کہ علم یقین کا فائدہ دیتی ہے بلکہ اسے واجب کرتی ہے، اس کے انکار سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ احناف نے بھی انکار کرنے والے کو کافر قرار دیا ہے اور اس ضمن میں ان کے ساتھ علماء کی اکثریت ہے۔ اس حکم کے بارے میں الکوکب المنیر کے شارح یوں رقم طراز ہیں:

الفرق بین الخبر المتواتر و الخبر المشهور ان جاحد الخبر المتواتر کافر باتفاق و جاحد الخبر المشهور مختلف فیہ (۳۴)

خبر متواتر اور خبر مشہور کا فرق یہی ہے کہ خبر متواتر کا انکار کرنے والا باتفاق علماء کافر ہے جبکہ خبر مشہور کا انکار کرنے والے کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔

حدیث مشہور

محدثین کے ہاں مشہور اس حدیث کو کہتے ہیں ”جس کی سند یعنی سلسلہ روایت کے ہر طبقہ میں تین یا تین سے زائد راوی ہوں بشرطیکہ تین سے زائد کی تعداد حد تو اتر کو نہ پہنچے“ (۳۵)۔

احناف کے ہاں اس کی تعریف یہ ہے ”وہ اپنی اصل کے اعتبار سے خبر احادیثی ہو لیکن پھر اتنی پھیل جائے کہ اسے اتنے لوگوں نے نقل کیا ہو، جن کے جھوٹ بولنے پر اتفاق کا گمان نہ ہو سکے اور ان سے مراد صحابہؓ و تابعینؓ کے بعد دوسری صدی تک کے لوگ ہیں“ (۳۶)۔ مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

”مشہور کا اطلاق ان روایات پر بھی ہوتا ہے جو مطلق طور پر لوگوں کی زبان پر شہرت پا گئی ہوں چاہے ان کی کوئی سند بھی نہ ہو“ (۳۷)۔

حدیث مشہور کے حکم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے:

۱- فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک احادیث مشہورہ اخبار احاد کی طرح مفید ظن ہیں۔ عمل کے لیے تو کافی

ہیں مگر ان سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا۔

- ۲۔ فقہ حنفی کے بعض علمائے تخریج کے خیال میں مشہور احادیث بھی احادیث متواترہ کی طرح ہیں اور ان سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے مگر یہ علم بطریق استدلال ہے، مشاہدہ کی طرح ضروری علم نہیں۔
- ۳۔ فقہ حنفی کے بعض مخرجین کی رائے میں ان احادیث سے اطمینان حاصل ہوتا ہے، یقین نہیں۔ پس احادیث مشہورہ متواترہ سے کم اور خبر واحدہ پر فائق ہیں اور ان سے کتاب اللہ پر اضافہ جائز ہے (۳۸)۔

علامہ تفتازانی اسے اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں:

المتواتر لا شبهة فی اتصاله والمشہور فی اتصاله شبهة لكونه احاد الاصل۔ ان الحديث المشہور یفید العلم عندابی حنیفة وان كان العلم الذی یفیده دون العلم بالخبر المتواتر، وهو یخالف احادیث الاحاد الذی لا یفید الا الظن (۳۹)۔

متواتر کے اتصال میں کبھی شبہ نہیں ہوتا جبکہ مشہور کے اتصال میں شبہ ہے کیونکہ وہ اصل میں خبر واحدہ ہے۔ مشہور حدیث امام ابو حنیفہ کے نزدیک یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ اگرچہ اس سے حاصل شدہ یقین خیر متواترہ سے حاصل ہونے والے یقین سے کم ہے لیکن وہ خیر واحدہ سے زیادہ ہے کیونکہ وہ تو صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے۔

ان عبارات سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ فقہ حنفی فقہاء بات پر متفق ہیں کہ مشہور کا درجہ اخبار احاد سے قوی ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ مفید یقین ہونے میں اس کا درجہ متواترہ کے برابر ہے یا نہیں تاہم اس کے قابل استدلال و جت ہونے پر سب متفق ہیں۔

اخبار احاد

محدثین کی اصطلاح میں خبر واحدہ خبر ہے جو متواتر کی شرطوں پر پوری نہ اترے۔ اس سے علم نظری حاصل ہوتا ہے یعنی ایسا علم جو غور و فکر اور استدلال پر موقوف ہوتا ہے (۴۰)۔ علماء احناف کے ہاں اس کی تعریف کچھ یوں ہے:

اما خبر الاحاد وهو كل خبر يرويه الواحد او الاثنان فصاعدا فلا عبرة للعدد فيه بعد ان يكون دون المشهور والمتواتر وهذا بوجوب العمل دون العلم يقيناً لانه عندهم ظني الثبوت (۴۱)۔

خبر واحدہ وہ خبر ہے جسے ایک یا دو یا اس سے زیادہ راوی روایت کریں، ان کی تعداد کی کوئی اہمیت نہیں بشرطیکہ یہ مشہور اور متواتر نہ ہو نہ پہنچے۔ علم یقینی کی بجائے عمل کا فائدہ دیتی ہے کیونکہ اس سے حاصل ہونے والا علم ظنی ہے۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

قال ابو حنیفة وجميع فقهاء الامصار - خبر الواحد العدل الثقة حجة العمل به في احكام الدين ولكن

لا یثبت به علم الیقین لانه ثبت بطریق الظنی لا قطعی وخالف فی هذا المحدثون فقالوا یوجب علم الیقین (۴۲)

ابو حنیفہ اور دیگر فقہاء امصار کا کہنا ہے کہ خبر واحد جو عادل اور ثقہ سے مروی ہو وہ دینی احکام پر عمل کے لیے جُت ہے لیکن اس سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اس کا ثبوت بطریق ظنی ہے قطعی نہیں۔ محدثین نے اس میں ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔ صاحب کشف الاسرار لکھتے ہیں:

اخبار احاد کے اتصال میں صورت و معنی شعبہ کی گنجائش ہے صورت اشتباہ کے پائے جانے کا ثبوت یہ ہے کہ ان کا آپ تک پہنچنا بطور قطعیت ثابت نہیں اور معنی یوں شبہ ہے کہ انہیں امت میں قبول عام حاصل نہیں ہوا۔ اخبار احاد میں تعدد رواۃ معتبر نہیں یعنی ان کے راوی اگرچہ زیادہ ہوں مگر تو اترا شہرت کے درجہ تک نہ پہنچیں تو ایسی احادیث کو احادیث کہیں گے (۴۳)۔

احادیث احاد میں اسی شبہ کے پائے جانے کی وجہ سے اجتہاد کے دور میں بعض لوگ ان کو قابلِ جُت نہیں سمجھتے تھے کیونکہ ان دنوں روایت حدیث میں دروغ گوئی کا چرچا عام تھا اور احادیث صحیحہ اور غیر صحیحہ آپس میں مخلوط ہو چکی تھیں۔ اسی قبیل کے لوگوں سے امام شافعیؒ نے بصرہ میں مناظرہ کیا تھا جو ان دنوں معتزلہ کا گہوارہ تھا۔ وہاں متباین فرقے سکونت پذیر تھے۔ یہ ذہنیت امام شافعیؒ سے پہلے امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں بھی پائی جاتی تھی بلکہ ان کے زمانے میں حدیث نبویؐ میں دروغ گوئی، اضطراب اقوال اور صحیح احادیث میں اختلاط زیادہ شدید تھا کیونکہ اس وقت تک حدیث کی نقد و جرح کے قواعد وضع نہیں ہوئے تھے (۴۴)۔

فقہاء احناف جملہ محدثین و فقہاء کی طرح راوی میں عدالت اور ضبط کی شرط ضروری قرار دیتے ہیں لیکن اس کی تفسیر میں انہوں نے دوسروں کی نسبت شدت سے کام لیا ہے۔ فخر الاسلام بزدوی ضبط کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

ضبط کا مفہوم یہ ہے کہ کلام ایسے طریقے سے سنا جائے جیسے سننے کا حق ہے پھر اس کے معنی مراد کو سمجھا جائے۔ امکانی جدوجہد سے اسے یاد کیا جائے۔ پھر اس کی حدود کی حفاظت کر کے اس کی پابندی کی جائے اور اسے ادا کرتے وقت (یعنی دوسرے شخص تک روایت پہنچاتے وقت) تک اس کے مذاکرات کا اہتمام کرتے رہنا چاہیے مبادا کہ وہ ذہن سے اتر جائے..... اور وہ دو قسم پر ہے ایک متن کو معصیہ و معنی ضبط کر لینا اور دوسرا یہ کہ لغوی معنی کے ساتھ ساتھ اس کا شرعی اور فقہی مفہوم بھی ضبط کر لیا جائے، یہ مکمل ضبط ہے۔ جب مطلقاً ضبط کا ذکر کیا جائے گا تو اس سے یہی قسم مراد ہوگی۔ چنانچہ جس شخص میں شدید غفلت پائی جائے خواہ اس کی یہ غفلت شعاری پیداؤشی ہو یا چشم پوشی یا اغماض کا نتیجہ ہو اس کی خبر جُت قرار نہیں دی جائے گی کیونکہ اس میں ضبط کی قسم اول مفقود ہے (۴۵)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ضبط کا مفہوم احناف کے ہاں بڑا دقیق ہے اس لیے انہوں نے خبر واحد کے قبول کے لیے درج ذیل شرائط عائد کر دی ہیں:

- ۱- خبر واحد کتاب اللہ کے عموم کے موافق ہو۔
- ۲- خبر واحد کسی ایسے اصول کے خلاف نہ ہو جس پر عمل میں لوگوں کا اتفاق ہو۔
- ۳- اس کے ذریعے قرآن کریم پر کوئی زیادتی نہ ہوتی ہو کیونکہ نص پر زیادتی نسخ ہے۔
- ۴- خبر واحد عام کو خاص اور کسی مطلق کو مقید نہ کرتی ہو کیونکہ یہ بھی نسخ کے ضمن میں ہے (۴۶)۔
- ۵- خبر واحد سنت مشہورہ کے بھی خلاف نہ ہو (۴۷)۔
- ۶- راوی کا عمل اس کی روایت کے خلاف نہ ہو (۴۸)۔
- ۷- راوی غیر فقیہ نہ ہو (۴۹)۔
- ۸- خبر واحد کو اس وقت قبول نہ کیا جائے جب اس کا تعلق بلوائے عامہ سے ہو (۵۰)۔

حدیث ضعیف

اصول حدیث کی اصطلاح میں ضعیف ہر اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں حسن کی ضروری شرائط میں سے کوئی ایک شرط نہ ہو (۵۱)۔ ضعیف حدیث پر عمل کے لیے محدثین کے ہاں اختلاف ہے۔ جمہور علماء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ فضائل اعمال کی صورت میں ان پر عمل پیرا ہونا مستحب ہے (۵۲)۔ فقہاء احناف بھی ضعیف حدیث کو فضائل اعمال میں درست خیال کرتے ہیں۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

الضعیف يعمل به في فضائل الاعمال اتفاقاً و لذلك قال ائمتنا ان مسح الرقبة مستحب (۵۳)۔
ضعیف حدیث پر فضائل اعمال میں عمل بالاتفاق درست ہے۔ اسی لیے ہمارے ائمہ نے گردن کے مسح کو مستحب کہا ہے۔

مشہور حنفی فقیہ ابن الہمام نے بھی یہی لکھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ الاستحباب یثبت بالضعیف دون الموضوع (۵۴)۔

استحباب ضعیف حدیث سے ثابت ہو جاتا ہے مگر موضوع سے نہیں۔

فقہائے احناف کے ہاں تو ضعیف حدیث رائے اور قیاس سے بہتر ہے۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے

ہیں:

قال ابن حزم: جميع الحنفية مجمعون على ان مذهب ابی حنیفة ملحدیث الضعیف عنده اولی من

الرای (۵۵)۔

ابن حزم کا کہنا ہے کہ احناف کا اس پر اجماع ہے کہ ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث رائے اور قیاس سے بہتر ہے۔

حدیثِ مرسل

امام ابو عبد اللہ الحاکم نیشاپوری کا کہنا ہے:

مرسل حدیث وہ حدیث ہے جسے محدث تابعی تک متصل سند کے ساتھ بیان کرے پھر تابعی کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا (۵۶)۔ ابن الصلاح نے بھی حاکم کی تائید میں مرسل کی یہی تعریف کی ہے (۵۷)۔

علماء احناف کی تعریف بھی اس سے ملتی جلتی ہے۔ امید صنعانی لکھتے ہیں:

ان المرسل هو ما قال غیر الصحابی: "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" - وبهذا التعريف قال ابن الحاجب ومن قبله الآمدی (۵۸)۔

مرسل یہ ہے کہ غیر صحابی کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا۔ مرسل کی یہی تعریف ابنِ حاجب اور ان سے پہلے آمدی نے بھی کی ہے۔

مرسل کی تین قسمیں ہیں:

- ۱- مرسل صحابی: یہ وہ مرسل ہے جس کی خبر صحابی نے دی ہو کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے لیکن اس نے خود نہ سنا ہو اور نہ مشاہدہ کیا ہو۔
- ۲- کہارتا بعین کی مرسل جیسے سعید بن المسیب بن المسیب وغیرہ۔
- ۳- صفارتا بعین کی مرسل جیسے ابنِ شہاب زہری اور سفیان ثوری وغیرہ۔

مرسل صحابی کے بارے میں تو جمہور علماء کی رائے ہے کہ وہ قابلِ حجت ہے۔ امام احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ صحیح رائے یہ ہے کہ صحابی کی مرسل کے قبول پر اجماع ہے البتہ دوسری اور تیسری صدی کی مراسل (یعنی کبار تابعین اور صفارتا بعین دونوں کی مراسل) احناف اور مالکیہ کے ہاں قابلِ قبول ہیں (۵۹)۔ ان کے قبول کرنے کی دلیل یہ ہے کہ تابعین میں جھوٹ تو بہت دور کی بات ہے ضعیف کا احتمال بھی کم ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تابعین کے زمانے کی تعریف یوں فرمائی ہے:

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم (۶۰)

سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، پھر جو میرے بعد آئیں اور جو ان کے بعد آئیں گے۔

اگر معلوم ہو جائے کہ راوی ہمیشہ غیر ثقہ راوی سے ارسال کرتا ہے تو اس کی مرسل ہرگز قبول نہیں کی جائے

گی لیکن تیسری صدی کے بعد اگر مرسل کسی امام کا قول ہو تو یہ قابل قبول ہوگا۔ یہ رائے عیسیٰ بن ابان، ابوبکر رازی، بزدوی اور متاخرین احناف میں سے اکثر کی ہے۔ قاضی عبدالوہاب مالکی کا کہنا ہے کہ میرے مذہب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (۶۱)۔ مشہور مصنف محمد ابو زمرہ لکھتے ہیں:

خفیہ کا قول ہے کہ صحابی، تابعی اور تبع تابعی کا ارسال قابل قبول ہوگا بعد کے لوگوں کا نہیں (۶۲)۔

ان اصولوں کا فروعات پر اثر

۱- دیگر مذاہب کے مقابلے میں فقہاء احناف کے ہاں عقیدہ دلیل قطعی یعنی قرآن کریم یا تواتر سے ثابت حدیث سے لیا جاتا ہے جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو۔ احاد ان کے ہاں ظنی الثبوت ہیں اس لیے ان سے عقیدہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

۲- دیگر مذاہب کے مقابلے میں فقہاء احناف مشہور حدیث کے ذریعے کتاب اللہ پر اضافہ جائز سمجھتے ہیں چنانچہ متعدد احکام میں ان کا ماخذ احادیث مشہورہ ہیں جیسے زانی پر حد رجم کی حدیث جو ان کے ہاں مشہور ہے۔ جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز مازنی کو سنگسار کروایا۔ اسی طرح موزوں پر مسح بھی ایک مشہور حدیث سے ثابت ہے نیز موزوں میں تتابع (پے در پے کی) شرط بھی ابن مسعود کی ایک مشہور روایت کی بنا پر ہے۔

۳- نماز میں طہانیت اور سکون سے متعلق احادیث پر قرآنی آیت ”یا ایہا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا“ (۶۳) کی ظاہری و عمومی دلالت کو ترجیح دیتے ہیں۔

۴- وہ احادیث احاد جن میں صبح کی نماز اوّل وقت ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے ان سب کو انہوں نے ایک دوسری حدیث ”اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر“ (۶۴) کے تحت ناقابل عمل ٹھہرایا کیونکہ یہ ان کے ہاں مشہور حدیث ہے۔

۵- خبر واحد کے راوی کا عمل اپنی بیان کردہ روایت کے خلاف نہ ہونے کے تحت فقہائے احناف نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول پر ان کے عمل کو ترجیح دی۔ حضرت عائشہ کی روایت میں عورت کے نکاح میں ولی کے ضروری ہونے کا ذکر ہے۔ فقہائے احناف کا کہنا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر کی بیٹی کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر کر دیا تھا۔

۶- خبر واحد کو اس وقت قبول نہ کیا جائے جب اس کا راوی غیر فقیہ ہو۔ اسی وجہ سے فقہائے احناف نے حضرت ابو ہریرہؓ کی اسی روایت کو ناقابل عمل ٹھہرایا جس میں منقول ہے کہ ”اؤئینوں اور بکریوں کے تھن نہ

- باندھو (یعنی ان کا دودھ دکھانے کے لیے)، اس کے بعد جو انہیں خریدے، اسے دوہنے کے بعد اختیار ہے کہ انہیں پسند کرے تو رکھے ورنہ ایک صاع کھجور دے کر واپس کر دے۔
- ۷- خبر واحد کو اس وقت قبول نہ کیا جائے جب اس کا تعلق بلوائے عامہ سے ہو۔ اس کے تحت انہوں نے رفع الیدین کی احادیث اور بغیر رکاوٹ کے شرم گاہ کو ہاتھ لگنے سے وضو کے ضروری ہو جانے کی احادیث پر عمل روک دیا۔
- ۸- خبر واحد کو اس وقت قبول نہ کیا جائے جب صحابہ و تابعین کے زمانہ میں لوگوں نے ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہو۔ اس کے تحت انہوں نے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع الیدین اور آمین بالجہر کو ترک کر دیا۔ کیونکہ کوفہ اور دوسرے شہروں میں تابعین کے زمانہ میں لوگوں نے ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا۔
- ۹- فضائلِ اعمال میں انہوں نے ضعیف احادیث کو قبول کیا جیسے وضو میں گردن کا مسح کا حکم ایک ضعیف حدیث کی بنیاد پر ہے۔
- ۱۰- احناف نے مراسیل کو مطلق طور پر قبول کیا اور ان پر احکام کی بنیاد رکھی جیسے نماز میں زیرِ ناف ہاتھ باندھنا مرسل حدیث کی بنیاد پر ہے۔
- فقہائے احناف نے اپنے ان اصولوں کی بناء پر جن احادیث کو ناقابلِ عمل ٹھہرایا ہے وہ ان کے لیے ایسا کرنے میں معذور تھے کیونکہ ان کے پاس انہی اصولوں کے تحت دیگر روایات موجود تھیں۔ ورنہ کوئی بھی مجتہد حدیثِ رسول کو ترک نہیں کرتا جیسا کہ امام ابن تیمیہ کا قول اس ضمن میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ ایسا کرنے میں ضرور اس کے پاس کوئی نہ کوئی عذر ہوتا ہے۔

حوالہ جات

- (۱) القرآن، ۷: ۱۵۸۔
- (۲) القرآن، ۱۶: ۴۳۔
- (۳) القرآن، ۸: ۲۰۔
- (۴) القرآن، ۳۳: ۳۶۔
- (۵) القرآن، ۴: ۵۹۔
- (۶) ابن القیم الجوزیہ، محمد بن ابوبکر شمس الدین، اعلام الموقعین عن رب العالمین (بیروت: دارالکلیل، ۱۹۷۳ء)، ج ۱، ص ۵۳۔
- (۷) عبدالغنی عبدالخالق، حجة السنة (واشنگٹن: المعهد العالمی للفکر الاسلامی، الطبعة الاولى، ۱۹۸۶ء)، ص ۳۱۰۔
- (۸) ابن القیم، اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۶۲۔
- (۹) الدارمی، عبداللہ بن عبدالرحمن ابو محمد، السنن (بیروت: دار احیاء السنۃ النبویہ، س.ن)، باب الفقہاء، ج ۱، ص ۵۹۔
- (۱۰) القاسمی محمد جمال الدین، قواعد التحديث (بیروت، دار احیاء السنۃ النبویہ، الطبعة الاولى، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۹م)، ص ۵۲۔
- (۱۱) ایضاً۔
- (۱۲) ایضاً۔
- (۱۳) ابن عبدالبر، یوسف بن عبدالبر، جامع بیان العلم و فضله (المدينة المنورة: المكتبة السلفية، الطبعة الثانية، ۱۳۸۸ھ/۱۹۷۸ء)، ج ۲، ص ۹۳۔
- (۱۴) القاسمی، قواعد التحديث، ص ۵۲۔
- (۱۵) ایضاً، ص ۵۳۔
- (۱۶) ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم قی الدین، رفع اعلام عن ائمة الاعلام (القاهرة: المطبعة السنۃ محمدیہ، طبعة ۱۳۷۸ھ)، ج ۲، ص ۹۳۔
- (۱۷) ایضاً، ص ۵۔
- (۱۸) العسقلانی، احمد بن علی بن حجر، نزہة النظر شرح نخبة الفكر (المدينة المنورة: المكتبة العلمية، س.ن)، ص ۲۱۔
- (۱۹) العثمانی، ظفر احمد، مقدمة اعلاء السنن (کراچی: ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ، الطبعة الثانية، ۱۳۸۳ھ)، ج ۱، ص ۷۔
- (۲۰) العراقی، زین الدین عبدالرحمن، فتح المغیث شرح الغیة الحديث (القاهرة: جمعية النشر والتالیف، طبعة ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۷ء)۔
- (۲۱) الراهر مزی، الحسن بن عبدالرحمن القاضی، المحدث الفاضل بین الراوی والواعی (تحقیق: محمد عیاض الخطیب) (بیروت، دار الفکر، الطبعة الاولى، ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)، ص ۴۰۸۔
- (۲۲) الکاظمی، محمد ادریس، مقدمة الحديث، غیر مطبوعہ، ص ۳۷۵۔
- (۲۳) الخوارزمی، محمد بن محمود، جامع مسانید الامام الاعظم (حیدرآباد دکن، دائرة المعارف، ۱۳۳۲ھ)، ج ۱، ص ۲۲۔
- (۲۴) ایضاً، ج ۱، ص ۳۱۔

- (۲۵) المکی، احمد بن حجر ابوالعباس، الخیرات الحسان فی مناقب ابی حنیفة النعمان (القاهرة: المطبعة السعادة، طبعہ ۱۳۲۲ھ)، ص ۶۹۔
- (۲۶) ابو زھرہ محمد، حیات امام ابو حنیفہ (مترجمہ: غلام احمد حریری) (فیصل آباد: ملک سنز، س. ن.)، ص ۵۱۔
- (۲۷) شاہ ولی اللہ بن عبد الرحیم دہلوی، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (دہلی: مطبع مجتہائی، ۱۸۹۱ء)، ص ۸۲۔
- (۲۸) ابو زھرہ، حیات امام ابو حنیفہ، ص ۳۲۔
- (۲۹) العسقلانی، نزہۃ النظر، ص ۲۱، ۲۰۔
- (۳۰) عبد العزیز بن احمد، کشف الاسرار علی اصول البزدوی (آستانہ: مکتبۃ الصنائع، ۱۳۰۷ھ)، ج ۲، ص ۶۸۱۔
- (۳۱) محمود الطحان، تیسیر مصطلح الحدیث (ملتان: مکتبۃ نشر النور، س. ن.)، ص ۱۹۔
- (۳۲) العسقلانی، نزہۃ النظر، ص ۲۱۔
- (۳۳) صدر الشریعہ، عبد اللہ بن مسعود، التوضیح علی التلویح للتفتازانی (مصر: المطبعة الخیرية، ۱۳۰۶ھ)، ج ۲، ص ۵۲۴۔
- (۳۴) القنوجی، محمد بن احمد، شرح الکوکب المنیر (دمشق، دار الفکر، س. ن.)، ج ۲، ص ۳۴۷۔
- (۳۵) الطحان، تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۲۱۔
- (۳۶) النسخی، عبد اللہ بن احمد، شرح المنار (بیروت، دار الکتب العلمیہ، الطبعة الاولى، ۱۳۰۶ھ)، ج ۲، ص ۱۱۔
- (۳۷) العثمانی، مقدمة اعلاء السنن، ج ۱، ص ۲۳۔
- (۳۸) ابو زھرہ، حیات امام ابو حنیفہ، ص ۴۷۳۔
- (۳۹) عبد اللہ بن احمد، التوضیح علی التلویح، ج ۲، ص ۴۸۱۔
- (۴۰) الطحان، تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۲۲۔
- (۴۱) البخاری، عبد العزیز احمد، کشف الاسرار، ج ۲، ص ۲۶۰۔
- (۴۲) ایضاً۔
- (۴۳) ایضاً، ج ۲، ص ۶۹۰۔
- (۴۴) ابو زھرہ، حیات امام ابو حنیفہ، ص ۴۷۵، ۴۷۴۔
- (۴۵) البخاری، عبد العزیز احمد، کشف الاسرار، ج ۲، ص ۷۱۶، ۷۱۷۔
- (۴۷) محمد قاسم، الحارثی، مسکانۃ ابی حنیفہ بین المحدثین (کراچی: ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ، الطبعة الاولى، ۱۳۱۳ھ)، ص ۵۲۱۔
- (۴۸) ایضاً، ص ۶۹۔
- (۴۹) ایضاً، ص ۷۰۔
- (۵۰) ایضاً، ص ۷۱۔
- (۵۱) الطحان، تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۶۴۔
- (۵۲) السیوطی، جلال الدین عبد الرحمن، تدربیب الراوی علی تقریب النواوی (القاهرة: دار الکتب الحدیثیہ، الطبعة الثانیة، ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء)، ج ۱، ص ۲۹۸۔

- (۵۳) ملا علی القاری، الموضوعات (کوئٹہ: المکتبۃ الاسلامیہ، س.ن)، ص ۷۳۔
- (۵۴) ایضاً۔
- (۵۵) العثماني، مقدمة اعلاء السنن، ج ۱، ص ۶۱۔
- (۵۶) النیشاپوری، محمد بن عبد اللہ ابو عبد اللہ الحاکم، معرفة علوم الحديث (تحقیق: معظم حسین) (القاهرة: مکتبۃ البیہقی، س.ن)، ص ۲۵۔
- (۵۷) ابن الصلاح، عثمان بن عبد الرحمن ابو عمرو، المقدمة (المدينة المنورة: المکتبۃ السلفیة، الطبعة الاولى، ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹م)، ص ۷۰۔
- (۵۸) الصنعانی، محمد بن اسماعیل، توضیح الافکار لمعانی تنقیح انظار (القاهرة: المکتبۃ الخانجی، الطبعة الاولى، ۱۳۶۶ھ)، ج ۱، ص ۲۸۶۔
- (۵۹) الحسنی، رضی الدین، قنوا الاثر (القاهرة: مطبعة السعادة، طبعة ۱۳۲۶ھ)، ص ۱۲: الآدی، علی بن محمد، الاحکام فی اصول الاحکام (بیروت: دار الکتب العربی، الطبعة الاولى ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء)، ج ۲، ص ۳۱۲۔
- (۶۰) ابن جنبل، احمد بن جنبل الامام، المسند (بیروت: المکتب الاسلامی، الطبعة الثانية، ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۷۸ء)، ج ۱، ص ۳۷۸۔
- (۶۱) العلانی، صلاح الدین ابو سعید، جامع التحصیل فی احکام المراسیل (بغداد: الدار العربیة للطباعة، الطبعة الاولى، ۱۳۶۶ھ)، ج ۲۔
- (۶۲) ابو زهره، حیات امام ابو حنیفہ، ص ۵۱۹۔
- (۶۳) القرآن، ۲۲: ۷۷۔
- (۶۴) السجستانی، سلیمان بن الاشعث ابو داؤد، السنن (بیروت: دار الفکر، س.ن)، کتاب الصلوة، باب وقت الصبح، ج ۱، ص ۱۰۴۔